قصہ حضرت یوسف علیہ السلام

توریت اور قرآن کے بیانات کا موازنہ

(۲)

از جناب مولوی ابواللیث شیر محمد صاحب ندوی

(۳) توریت اور قرآن کے بعض بیانات میں سخت اختلاف اور تناقض پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تحریف تدلیس، تخلیط اور نسیان کی وجہ سے واقعات کی اصلی صورت، اکثر جگہ باقی نہیں رہی اور ان کی نوعیت بدل گئی، ایسے موقع پر مذکورہ بالا اصول کے مطابق، قرآن کا بیان صحیح تسلیم کرنا واجب ہے کیونکہ یہ متواتر ہے اور ہر قسم کی کمی وزیادتی سے محفوظ ہے بخلاف توریت کے کہ خود یہودی علماء نے اس کا غیر محفوظ اور محرف ہونا تسلیم کر لیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں توریت کا جو بیان، قرآن سے مخالف نظر آتا ہے، غور کرنے کے بعد وہ عقل اور توریت کی بعض شہادتوں کے بھی مخالف نظر آتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر تحریف بائیبل کے لیے اور کوئی دلیل نہ ملے تب بھی اس کو محرف یقین کرنے کے لیے، ان اختلافات پر غور کرنا کافی ہے۔ یہاں میں اس کی چند مثالیں درج کرتا ہوں۔

(۱) توریت کا بیان ہے کہ جس وقت، عورت نے یوسف سے ہم بستر ہونے کو کہا تو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، اس عورت نے جب یہ دیکھا کہ اس نے اپنا پیراہن میرے ہاتھ میں رہنے دیا اور بھاگ نکلا تو اپنے گھر والوں کو بلایا اور کہا کہ وہ عبرانی غلام اندر گھسا تھا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو لیکن میں چلا اٹھی اس لیے وہ اپنا پیراہن میرے ہاتھ میں چھوڑ کر باہر نکل گیا، یہی باتیں اس نے اپنے شوہر کے سامنے

بھی بیان کیں جس کو سنکر وہ بہت برا فروختہ ہوا اور یوسف کو قید کر دیا۔ تکوین باب ۳۹ آیت ۱۱ تا ۱۹۔

قرآن کا بیان اس سے مخالف ہے، قرآن میں ہے کہ دروازہ کی طرف دونوں لپکے، یوسف بھاگنے کے لیے اور وہ عورت ان کو پکڑنے کے لیے، لیکن دروازہ پر پہنچکر دونوں نے اپنے آقا کو سامنے پایا، عورت نے انتہائی چالاکی کے ساتھ، سارا الزام یوسف کے سر تھوپ دیا کہ انہوں نے میرے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا تھا لیکن خود اسی کے کسی عزیز کے فیصلے کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ثابت ہوگئی اس لیے عزیز نے یوسف ؑ کو اعراض کا حکم دیا اور عورت کو سرزنش کی۔

یہاں دو اختلاف پائے جاتے ہیں۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ توریت کے بیان کے مطابق اسی الزام میں حضرت یوسف ؑ کو قید کر دیا گیا لیکن قرآن کی رو سے الٹی اس عورت ہی کو سرزنش ہوئی۔ دوسرے یہ کہ توریت میں ہے کہ "اصرار" اور "انکار" کے بعد جب حضرت یوسف ؑ دامن بچا کر نکل گئے تو گھر والوں کو اس واقعہ کی خبر تک نہ ہوئی لیکن عورت نے گھر والوں کو خود بلا کر حضرت یوسف ؑ پر بدنیتی کا الزام لگایا، مگر قرآن کے بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عزیز کو یا گھر والوں کو نہیں بلایا بلکہ اتفاقاً دروازہ کی طرف لپکنے کے وقت عزیز دروازہ پر مل گیا اس لیے اس کو شوہر کی بدگمانی سے بچنے کے لیے یہ بات بنانی پڑی۔ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا الخ۔ اس شخص کی کیا سزا ہے جو آپ کی بیوی کے ساتھ بدنیتی کرے۔

توریت کے یہ دونوں بیان خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا اس لیے کہ خود توریت کے بیان کے مطابق، عزیز مصر حضرت یوسف ؑ کی للٰہیت اور خدا ترسی کا بہت قائل تھا اس لیے ان کو بہت عزیز رکھتا تھا، توریت تکوین باب ۳۹۔ آیت ۲ تا ۵ میں ہے کہ۔

"جب اس کے (یعنی یوسف کے) آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اس کے سب کاموں میں اسے اقبال مند کیا۔ چنانچہ یوسف اس کی نظر میں مورد لطف ہوا اور اس نے اس کی خدمت کی اور اسے اپنے گھر پر نائب کر دیا اور سب کچھ جو اس کا تھا اس کے قبضہ میں کر دیا"۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عزیز مصر

اس شہادت، اعتقاد اور اعتراف خلوص و صداقت کے بعد، محض ایک عورت کے کہدینے کی وجہ سے، خواہ وہ عورت کیسی ہی معتبر کیوں نہ ہو، بغیر کسی قسم کی شہادت اور تحقیق حالات کے بے دریغ ان کو قید خانے میں بھیجدیتا جیسا توریت میں ہے؟ میرے خیال میں ہر شخص اس کا انکار کرے گا۔ نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ایسے موقع پر حضرت یوسفؑ کو قید کرنا، خود اپنی تشہیر اور بدنامی کا سامان کرنا تھا۔ اس لیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ یوسفؑ کو قید کرکے، عزیز نے خود اپنی تشہیر اور بدنامی پسند کی ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق جب خود عورت کا گناہ ثابت ہوگیا تو زیادہ سخت سزا کے بجائے جس کی وہ اس موقع پر مستحق تھی، عزیز نے معمولی سرزنش پر اکتفا کرلیا، کیونکہ سزا کی صورت اختیار کرنے میں اس معاملہ کے پھیل جانے اور مشہور ہوجانے کا ڈر تھا۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو یہاں یہ شبہہ ہو کہ اگر قید خانہ میں بھیجنا باعث تشہیر تھا تو پھر قرآن کے بیان کے مطابق، کیوں عزیز نے بعد میں ان کو قید کردیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تشہیر کے بعد کا واقعہ ہے جب بات شہر کی گلی کوچوں میں عام ہوگئی تو پھر اس پر پردہ ڈالنے کی سعی بے سود تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت یوسفؑ کو قید کرنا ہی تشہیر اور بدنامی کو روک سکتا تھا

توریت کا دوسرا بیان بھی خلاف عقل ہے۔ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عورت حضرت یوسفؑ پر فریفتہ تھی اور دل و جان سے انپر فدا۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے ان کو رسوا کرنے، ذلیل کرنے بلکہ قید و محن میں مبتلا کرنے کا سامان بھی، یہ الزام لگا کر مہیا کردیا۔ دراں حالیکہ توریت کے بیان کے مطابق ”خلوت“ خانہ کی کارروائیوں کو کسی نے دیکھا بھی نہ تھا کہ کہا جائے کہ اس نے اپنے کو فضیحت سے بچانے کے لیے، ان کی رسوائی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ چشم فلک نے اس قسم کا عشق تو غالباً کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ اب تک تو یہ سنتے آئے تھے کہ عشاق پر فراق کی گھڑیاں بہت شاق گزرتی ہیں۔ اس لیے وہ وصل میں بھی فراق کے خوف سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے۔ لیکن اگر توریت کا یہ بیان صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ عشق کی نئی قسم سمجھی جائے گی کہ عاشق دعوائے عشق کے باوجود، خود محبوب کی جدائی کا خواہاں اور اس کے مواقع کا

جویاں ہے غلط فہمی میں پڑنے سے بچنے کے لیے، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگرچہ خود قرآن کے بیان میں ہے کہ عورت نے حضرت یوسف کے خلاف بدنیتی کے الزام میں قید خانہ یا کسی سخت سزا کی تجویز پیش کی (مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ) لیکن تورات۔ اور قرآن کے بیان میں یہ فرق ہے کہ قرآن کے بیان کے اعتبار سے اس نے ایسا مجبوراً کیا، اس وقت جبکہ اپنی ذات کو بدنامی اور رسوائی سے بچانے کے لیے سوا اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اگرچہ یہ چیز بھی آئینِ عشق کے خلاف ہے لیکن عورت سمجھ کر اس کو معاف کیا جاسکتا ہے۔ توریت کے بیان کے مطابق اس نے ایسا بغیر کسی مجبوری کے کیا۔

اِس خاص موقع کے علاوہ قرآن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس عورت نے پھر کبھی یوسفؑ کو قید خانہ بھیجنے کی خواہش یا کوشش کی ہو، دھمکی البتہ دی ہے اور یہ چیز قابل اعتراض نہیں البتہ لوگوں نے بعض وجوہ سے ان کو قید خانہ میں بھیج دینا مناسب سمجھا۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ الخ۔ اس موقع پر بھی اگرچہ اس نے اپنی فطری کمزوری کی بنا پر اپنے کو رسوائی سے بچانے کے لیے یوسفؑ کی کوئی پرواہ نہیں کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ موقع اس عورت کے لیے بہت زیادہ نازک تھا۔ ایک طرف عقل و ہوش کی دعوت تھی، دوسری طرف عشق و محبت کی۔ لیکن وہ اپنے عشق میں خام تھی اس لیے ہوش کی دعوت کو قبول کر کے اپنے کو رسوائی سے بچانے کے لیے یوسفؑ کو متہم کر دیا لیکن اس کے باوجود اس کی گفتگو میں عشق و محبت کی جھلک نمایاں ہے۔ ایک طرف اسے ڈر ہے کہ اگر اپنی صفائی نہ پیش کی جائے تو معلوم نہیں اس کا کیا نتیجہ ہو، دوسری طرف یہ خطرہ بھی دماغ پر مستولی ہے کہ کہیں اس کی وجہ سے اس کے محبوب کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ وہ اس وقت عجیب حیص بیص میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کا اظہار اس کے اس جملہ اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ سے ہوتا ہے۔ اس نے اپنی برأت ثابت کرنے کے لیے یہ تو کہہ دیا کہ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا لیکن آگے اس کی زبان رک جاتی ہے اور یوسفؑ کی محبت غالب آجاتی ہے لیکن بہرحال اپنی برأت کرنی ہے۔ اس لیے قید کی خفیف سزا کی تجویز پیش کی اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ لیکن پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ

خفیف سزا کی تجویز سے کہیں عزیز یہ نہ سمجھے کہ واقعی دال میں کچھ کالا ہے اس لیے دل کڑا کرکے کہتی ہے اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ غور کیجئے کتنا نازک موقع تھا کہ اتنی احتیاطوں کے بعد بھی اس کے جملے اس کے قلب کی کیفیات کے آئینے ہیں۔

آنسو رکے تو کیا نہیں چھپنے کا رازِ عشق
حسرت ٹپک پڑے گی ہماری نگاہ سے

(۲) توریت میں ہے کہ قحط کے زمانہ میں جب یوسف کے بھائیوں کا قافلہ غلہ لانے کے لیے مصر پہنچا تو حضرت یوسفؑ نے ان کو دیکھ کر پہچان لیا لیکن اس کے باوجود ان سے سختی سے گفتگو کی اور جاسوسی کے الزام میں، ان میں سے شمعون کو گرفتار کر لیا اور یہ کہا کہ جب تم اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤ گے تو میں تمھیں سچا سمجھوں گا۔ اور اس وقت شمعون کو رہا کردوں گا (تکوین باب ۴۲) لیکن قرآن میں شمعون یا کسی اور کی گرفتاری کا کوئی ذکر نہیں بلکہ سیاق و سباق اور یوسف کے کلام کے طرز ادا سے اس کی نفی ہی متصور ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ الخ۔ حضرت یوسفؑ کی گفتگو سے ملاطفت اور مدارات کا اظہار ہو رہا ہے، یہی نہیں بلکہ دام محبت میں گرفتار کرکے دوبارہ مصر واپس بلانے یا اس کے لیے سہولت پیدا کرنے کی غرض سے یہ حکم دیتے ہیں کہ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے کسی کو گرفتار نہیں کیا اور نہ ان پر کسی قسم کی سختی کی بلکہ اس کے برعکس شفقت سے اُن کو رام کرنا چاہا۔ اگر واقعی انہوں نے ان میں سے کسی کو گرفتار کیا ہوتا تو طرز گفتگو یہ نہ ہوتا۔ غرضکہ قرآن سے اشارۃً یا کنایۃً کسی طرح بھی شمعون کی گرفتاری ثابت نہیں۔ اب آئیے توریت کا مذکورہ بالا بیان عقل اور توریت کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے

قرآن اور توریت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت یوسفؑ بہت زیادہ عادل اور منصف تھے۔

اور کیوں نہ ہو جبکہ منصب نبوت پر فائز تھے، کیا ایسے منصف مزاج اور عادل شخص سے ممکن ہے کہ اس علم کے باوجود کہ آنے والے اس کے بھائی ہیں[1]، ان میں سے شمعون کو جھوٹے الزام میں گرفتار کر لیتا؟ یقیناً یہ بات حضرت یوسف کے منصب سے بہت گری ہوی ہے کہ ایک بے قصور کو خواہ مخواہ کے لیے گرفتار کر لیں۔ ایک مطلق العنان بادشاہ جھوٹا الزام قائم کر سکتا ہے، بے قصور کو سزا دے سکتا ہے بلکہ بے گناہوں کے خون سے اپنا ہاتھ بھی رنگین کر سکتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت یوسف بادشاہ ہی نہ تھے بلکہ خدا کے برگزیدہ نبی بھی تھے اس لیے ان سے کبھی اس قسم کا فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔ یہاں پر ممکن ہے یہ سوال بعض لوگوں کے دل میں پیدا ہو کہ اگر ان سے یہ مستبعد ہے کہ شمعون کو جھوٹے الزام میں روک لیں تو یہ ان کے لیے کیونکر جائز ہوا کہ خود بن یامین کی گٹھڑی میں پیالہ رکھوا کر ان کو چوری کے الزام میں گرفتار کر لیں؟ یہ سوال کسی قدر پیچیدہ ہے اور تفصیل کا طالب لیکن مختصراً دونوں کا فرق سمجھنے کے لیے یہ مقدمہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر وہ کام جو کسی کی ایذا یا نقصان کا باعث ہو، سخت ترین گناہ ہے لیکن وہ کام جو بظاہر کسی کی تکلیف یا نقصان کا باعث ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہ ہو تو وہ کام ہرگز گناہ نہیں سمجھا جائے گا۔ چونکہ شمعون کی گرفتاری، ان کی تکلیف کا باعث ہوتی اس لیے یہ گناہ سمجھا جائے گا جس سے انبیا کرام منزہ ہیں اور بن یامین کے ساتھ جو کچھ کارروائی کی گئی وہ سب پہلے سے ان کو بتلا دی گئی تھی اور ان کی رضامندی حاصل کر لی گئی تھی اس لیے یہ گناہ کا کام نہیں سمجھا جائے گا۔

اس بیان کو توریت میں پڑھتے وقت، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہودیوں نے توریت میں اگرچہ قصداً یا بلا قصد بہت کچھ تحریفات کر دی ہیں لیکن اکثر مقامات پر خود توریت کی شہادتوں سے اُس کا محرف ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بعض کُھلے ہوے مقامات پر کسی مصلحت سے تحریف کرنے کو تو کر دی یا بعض مقامات پر بلا قصد کمی یا زیادتی ہو گئی لیکن اس کے باوجود کہیں کہیں اصلیت علی حالہ باقی رہی جس کا علم بوجہ خفی دلالت کے ان کو نہ ہو سکا یہی باتیں بسا اوقات اصلیت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ توریت میں

[1] تکوین باب ۴۲۔ آیت ۷۔

اگرچہ ذبح کے موقع پر، اسماعیل کی جگہ پر اسحاق کا نام لکھدیا گیا ہے لیکن علامہ حمید الدین مرحوم نے اصول کے ماتحت، توریت ہی کی مخفی شہادتوں سے حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ اس میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا ملاحظہ ہو الرای الصحیح فیمن ہو الذبیح۔ بعینہٖ یہی صورت یہاں بھی ہے اگرچہ توریت میں تخلیط، تدلیس، یا سہو وغیرہ کی وجہ سے، شمعون کو روک لینے کا واقعہ درج ہو گیا ہے لیکن خود توریت کی بعض اندرونی شہادتیں اس کے خلاف ہیں جن کو میں مختصراً بیان کرتا ہوں، میرا یہ خیال حسب ذیل بنیاد پر قائم ہے۔

(۱) حضرت یعقوب ؑ شمعون سے بہت محبت کرتے تھے، اس کی شہادت خود توریت میں ہے کہ شمعون کی قید کے بعد جب ان کے بھائیوں نے، کنعان آکر پورا واقعہ اپنے والد سے سنایا تو انھوں نے نہایت حسرت وغم سے یہ کہا:۔ تم نے مجھے لاولد کیا، یوسف تو نہیں ہے اور شمعون بھی نہیں ہے بن یامین کو بھی لے جاؤ گے یہ چیزیں میرے مخالف ہیں (پیدایش باب ۴۲۔ آیت ۳۶)۔

(۲) توریت کا بیان یہ ہے کہ حضرت یوسف ؑ نے اگرچہ شمعون کو روک لیا تھا لیکن کنعان واپس جانے والے بھائیوں کے ساتھ زادراہ اور کھانے کے لیے کافی غلّہ کر دیا تھا۔ کنعان پہونچکر وہ اور ان کے باپ کھانے پینے میں مصروف ہو گئے یہانتک کہ جب غلہ ختم ہونے لگا تو یعقوب ؑ نے اپنے بیٹوں کو پھر مصر جاکر غلہ لانے کے لیے کہا اور ان کے حکم کے مطابق، وہ بن یامین کو ساتھ لے کر گئے لیکن اتنی مدت کے بعد گئے کہ وہ دو مرتبہ مصر جا آ سکتے تھے (پیدایش باب ۴۳۔ آیت ۱۰)

(۳) حضرت یعقوب نے جس وقت، اپنے بیٹوں کو مصر جانے کے لیے کہا تو صرف غلہ لانے کو غرض قرار دیا، شمعون کی رہائی کا ذکر نہیں کیا۔ باب ۴۳۔ آیت ۲ میں ہے کہ "یوں ہوا کہ جب وہ غلہ جو مصر سے لائے تھے، وہ کھا چکے تو ان کے باپ نے انہیں کہا کہ پھر جاؤ اور ہمارے لیے تھوڑی خورش مول لو"۔ اسی طرح جب یہودا نے مصر پہنچکر، عزیز مصر کے سامنے اپنے سفر کی غرض وغایت بیان کی تو اگرچہ پورے اہتمام کے ساتھ حضرت یعقوب کی پوری گفتگو بیان کی لیکن مصر جانے کا حکم دیتے وقت اپنے والد کا صرف یہ جملہ بیان کیا کہ

ہمارا باپ بولا پھر جاؤ اور ہمارے لیے تھوڑا غلہ مول لاؤ۔ (باب ۴۴۔ آیت ۲۶)

مذکورہ بالا مقدمات کو اگر سامنے رکھکر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ شمعون کی گرفتاری کی داستان خلاف واقع ہے۔ غور کیجیے کہ اگر شمعون کو عزیز مصر نے روک لیا ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت یعقوبؑ باوجود شمعون کی محبت کے جس کا ثبوت باب ۴۲۔ آیت ۳۶ سے ہوتا ہے، کھانے پینے میں مشغول ہو کر ان کو بھول جاتے اور ان کی رہائی کی کوئی فکر نہ کرتے اور اپنے لڑکوں کو اسی وقت مصر بھیجتے جب کھانے کے لیے کچھ باقی نہ رہجاتا اور اس لیے بھیجتے کہ وہاں جاکر غلہ لائیں نہ کہ اس لیے کہ شمعون کی رہائی کے لیے کوئی تدبیر کریں؟ اگر واقعی وہاں شمعون مقید ہوتے تو یقیناً حضرت سننے کے ساتھ ہی ان کی رہائی کی فکر کرتے اور اپنے لڑکوں کو اس کے لیے مصر بھیجتے اور اتنی تاخیر ہرگز گوارا نہ کرتے کہ دو مرتبہ قافلہ مصر جاکر واپس آسکے، اسی طرح اگر واقعی شمعون وہاں گرفتار ہوتے تو اپنے لڑکوں کو مصر بھیجتے وقت کم از کم حضرت یعقوبؑ یہی فرما دیتے کہ "ذرا شمعون کا بھی خیال کرنا" لیکن توریت میں ان چیزوں کا کہیں تذکرہ نہیں ممکن ہے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ بن یامین کو چونکہ وہ اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرسکتے تھے اس لیے انہوں نے مصر بھیجنے میں اتنی تاخیر کردی لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ اگر غلہ کے حصول کے لیے وہ بن یامین کو بھائیوں کی شرط کے مطابق مصر بھیجنے پر تیار ہوسکتے ہیں تو یقیناً وہ لخت جگر کی رہائی کے لیے بھی ان کو بھیجنے پر تیار ہو جاتے۔ اس صورت میں کسی طرح اُسے گوارا نہ کرتے کہ ان کی رہائی کی تدبیر اتنے دن تک ملتوی رکھیں کہ قافلہ دو مرتبہ مصر جا آسکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ توریت کی یہ زیادتی عقل اور توریت کی بعض مخفی شہادتوں کے سراسر خلاف ہے بلکہ توریت باب ۴۴ آیت ۱۸ تا ۳۴ میں بن یامین گرفتاری کے بعد یہودا نے عزیز مصر کے ساتھ جو گفتگو کی ہے اس کو دیکھنے کے بعد تو اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ شمعون کی گرفتاری کی داستان بالکل بے سروپا ہے طوالت کے خوف سے میں یہاں اس کا اقتباس درج نہیں کرتا لیکن ناظرین اگر ذرا غور سے اس کو ملاحظہ فرمائیں تو ان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ توریت میں اس مقام پر اصلیت بہت زیادہ اجاگر ہے

اور یہی وجہ ہے کہ یہاں توریت اور قرآن میں بہت زیادہ مشابہت پیدا ہوگئی ہے

(۳) قرآن میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے، اپنے بھائی کو پیالہ کی چوری کے الزام میں اپنے پاس روک لیا اور اگرچہ ان کے بھائیوں نے، ان کی جگہ پر اپنے کو گرفتاری کے لیے پیش کیا لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے یہ کہکر انکار کر دیا اِنَّا اِذًا لَّظَالِمُوْنَ۔ اس کے بعد جب وہ مایوس ہوگئے تو آپس کے مشورہ کے بعد بڑا وہیں رک گیا اور بقیہ سب لوگ کنعان واپس آئے اور یعقوب کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ وہ سنکر بہت غمگین ہوئے لیکن اب بھی وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے اور کہا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا اور اپنے لڑکوں کو یوسف اور بن یامین کی جستجو کے لیے یہ کہکر مصر روانہ کیا کہ اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اس مرتبہ جب وہ مصر پہنچکر حضرت یوسف کے سامنے آئے تو انھوں نے اپنا یوسفؑ ہونا ظاہر کر دیا۔

اب اس کے مقابل میں توریت کا بیان ملاحظہ ہو، توریت کا بیان اِنَّا اِذًا لَّظَالِمُوْنَ۔ کہنے تک قرآن سے بالکل مطابق ہے اور دونوں صحیفوں میں شدید معنوی اور لفظی مشابہت پائی جاتی ہے لیکن اس کے بعد سے توریت کا بیان مختلف ہوجاتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ بڑے بھائی کے سوا سب کنعان اپنے والد کو واقعہ کی اطلاع دینے چلے جاتے ہیں۔ اور جب پھر مصر واپس آتے ہیں تو اس مرتبہ یوسف ان پر کھلتے ہیں لیکن توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر نے جب ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ گھر لوٹ کر نہیں جاتے بلکہ وہ سب کے سب وہیں مقیم رہتے ہیں اور یہوذا، عزیز مصر کے دربار میں جاکر، اجازت لے کر اپنے خاندان کے درد وغم کی داستان اس طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ حضرت یوسف سنکر بے قرار ہوجاتے ہیں دونوں بیانوں کو سامنے رکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ قرآن کا بیان زیادہ نیچرل زیادہ موثر اور سبق آموز ہے کیونکہ وہ اصلیت پر مبنی ہے اور توریت کے بیان کے اندر تصنع نمایاں ہے کیونکہ اس میں واقعہ کی اصلی صورت محفوظ نہیں۔

سب سے پہلے اس پر غور فرمایئے کہ اس قصہ کے بیان کا مقصد آنحضرتؐ کے سامنے یعقوبؑ اور یوسف علیہما السلام کے شدائد و مشکلات کو بیان کرکے، دونوں کے صبر و شکیبائی اور بالآخر شاندار نتیجہ کے ظہور کو دکھلانا مقصود ہے تاکہ آپ کو مشرکین عرب کی ایذا رسانیوں اور استہزاؤں پر صبر آجائے۔ قرآن کے بیان کے مطابق یہ مقصود بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے اور دونوں کے صبر کا پہلو زیادہ روشن نظر آتا ہے خیال فرمایئے کہ یعقوب علیہ السلام کو، لخت جگر یوسف کی گمشدگی کے بعد، دوسرے نور نظر کی گرفتاری کی خبر پہونچتی ہے، دل، غم سے پاش پاش ہوجاتا ہے لیکن پھر بھی فرماتے ہیں اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اور اپنے لڑکوں سے فرماتے ہیں وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ لیکن توریت کے اعتبار سے حضرت یعقوبؑ کو اس جانگداز اور روح فرسا واقعہ کی اطلاع ہی نہیں پہونچتی۔

دوسری بات اس واقعہ میں قابل لحاظ یہ ہے کہ قرآن کی رو سے حضرت یوسفؑ صبر و قرار کے انتہائی مرتبہ پر پہونچے ہوئے تھے، اسی بنا پر گو انہیں، اپنی زندگی میں، بھائیوں کی وجہ سے متعدد صبر آزما مشکلات سے دوچار رہنا پڑا لیکن سب کو انہوں نے صبر اور استقلال کے ساتھ گوارا کیا یہ صبر ہی کا ایک گوشہ تھا کہ انھوں نے اس موقع پر، اپنے نفس کو قابو میں رکھا جہاں بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، یہ صبر ہی کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ طول طویل فراق کے بعد، یاران وطن سے نہیں بلکہ حقیقی بھائیوں سے ملاقات ہوتی ہے لیکن پہچاننے کے بعد بھی، ان پر اشتیاق یا بے قراری کا کوئی ایسا اثر ظاہر ہونے نہیں پاتا جس سے لوگ کچھ پتہ پاسکیں۔ یہ صبر ہی کا نمونہ تھا کہ ان کی پہلی ملاقات کے بعد رخصتی کا منظر دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی دل کی بیقراری کو دبائے رکھتے ہیں توریت کے اعتبار سے بھی بھائیوں کو دیکھ کر اور ان کی باتوں کو سن کر، کئی کئی مرتبہ بے قرار ہوجاتے ہیں لیکن ضبط نفس کا یہ حال ہے کہ لوگوں کو اس کا احساس تک بھی نہیں ہونے پاتا۔ کیا یہ انتہائی صبر کا نمونہ نہیں؟ ان کے بھائی ان پر چوری کا الزام لگاتے ہیں۔ وَاِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ۔ لیکن صاحب اختیار ہونے کے

باوجود خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے (فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ) کیا یہ معمولی آدمیوں سے ممکن ہے۔ صبر و استقلال کے اِن حیرت انگیز واقعات کے بعد مشکل سے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ یہوذا کی باتیں سنکر بے قرار ہوگئے اور بے قابو ہوکر اپنا یوسف ہونا ظاہر کر دیا یہ چیز حضرت یوسفؑ کی صفات کے خلاف ہے اور ایسا ماننے سے، ان مصالح کا تار و پود بلا قصد بکھر جاتا ہے جن کی وجہ سے حضرت یوسفؑ نے اتنے دنوں تک اپنے کو چھپائے رکھا۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے بیان کے اعتبار سے، حضرت یوسفؑ نے تیسری مرتبہ ان کے آنے پر مناسب اور بر محل جانکر، اپنا یوسف ہونا ظاہر کر دیا، یہ نہیں ہے کہ بے قرار ہوکر انھوں نے ایسا کیا، جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں، قرآن کی عبارت یہ ہے۔ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ، قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ - قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ۔ ان جملوں پر غور کیجئے کیا اس سے ان کی بے قراری ثابت ہوتی ہے یا ان سے انکا استقلال ٹپکتا ہے۔

اس بیان میں تیسری چیز قابل غور یہ ہے کہ خود توریت کا بیان ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس روکنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ان کی گٹھڑی میں، پیالہ رکھوا کر، ان کو چوری کے الزام میں روک لیا۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے کو اسی موقع پر ظاہر کر دیا تو یہ تدبیر بے نتیجہ اور عبث ہو جاتی ہے۔ قرآن کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے، ان باتوں پر غور کرنے کے بعد، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں بیچ سے واقعہ کے بعض اجزا، غائب ہوگئے ہیں۔ "بن یامین کی گرفتاری کے بعد یوسفؑ کے سامنے آکر یہوذا نے جو کچھ کہا ہے، ممکن ہے صحیح ہو لیکن میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت کہا ہوگا جب کنعان سے دوبارہ واپس آئے (جیسا کہ توریت میں اسی کے مشابہ گفتگو موجود ہے) نہ کہ مصر سے روانہ ہونے سے قبل جیسا کہ توریت میں ہے، چونکہ توریت میں کمی زیادتی زیادہ ہوئی ہے، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ بیچ سے اتنی عبارت حذف ہوگئی ہو کہ "وہ لوگ اس واقعہ (یعنی بن یامین کی گرفتاری) کی اطلاع دینے

کے لیے کنعان گئے لیکن اُن کے والد نے ان کو یوسف اور بن یامین کی جستجو کے لیے پھر مصر روانہ کیا۔ وہ جب مصر آئے تو یہوداؔ نے بادشاہ کے دربار میں پہنچکر یہ کہا (باب ۴۴۔ آیت ۱۸) اور یہ سنکر یوسف نے اپنے کو ظاہر کر دیا۔ اس صورت میں قرآن اور توریت بالکل متفق ہو جاتے ہیں بلکہ قرآن کے اس جملہ کہ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَاَوْفِ الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا کے اجمال کی تفصیل بھی ہو جائے گی۔

(۴) چوتھا اختلاف یہ ہے کہ قرآن میں ہے کہ جب تمام درباری، بادشاہ کے خواب کی تعبیر سے عاجز ہو گئے تو ساقی کو حضرت یوسفؑ یاد آئے کیونکہ وہ ان کی صداقت دیکھ چکا تھا اس لیے وہ بادشاہ سے اجازت طلب کر کے، دربار سے باہر آتا ہے اور خود جا کر پہلے یوسف سے خواب کی تعبیر دریافت کرتا ہے اور پھر آکر بادشاہ کے سامنے بیان کرتا ہے لیکن توریت میں یہ ہے کہ اس نے بادشاہ کے سامنے ہی حضرت یوسفؑ کا تذکرہ کیا، جس کی بنا پر بادشاہ نے ان کو قید خانے سے بلایا اور خواب اور خواب کی تعبیر دریافت کی۔ یہاں بھی قرآن ہی کا بیان قرین قیاس اور قابل قبول معلوم ہوتا ہے کیونکہ ساقی کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ خواب، کوئی آسان خواب نہیں ہے بلکہ اتنا پیچیدہ ہے کہ تمام لوگ اس کی تعبیر بتانے سے عاجز ہو گئے ہیں اور خواب پریشان کہکر سب نے اپنا پیچھا چھڑا لیا ہے۔ اس لیے اس کی احتیاط اور یوسف کے ساتھ اس کی خیر خواہی کا تقاضا یہی تھا کہ اطمینان بخش تعبیر حاصل کیے بغیر یوسف کا نام نہ لیا جائے۔ اس لیے اس نے اپنے کو مورد عتاب ہونے سے بچانے کے لیے پہلے خواب کی تعبیر حاصل کی ہوگی اور اس کے بعد یوسف کا تذکرہ کیا ہوگا نیز یہ معلوم ہے کہ توریت کے بیان کے اعتبار سے حضرت یوسف تہمت میں قید خانے میں ڈال دیئے گئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ساقی یوسف کا گرویدہ، احسانمند اور ان کا خیر خواہ تھا، اس لیے اس نے خیر خواہی کی غرض سے 'انکا نام لیا' اور دربار میں ان کا طلب کیا جانا مناسب نہ سمجھا کہ مبادا وہ بھی تعبیر بتانے سے قاصر رہیں اور مورد عتاب ہونے کے علاوہ، ان کو دیکھکر بادشاہ اور درباریوں کا

غصہ تازہ ہوجائے۔

(۵) پانچواں اختلاف یہ ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق، جب ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر دریافت کرکے، بادشاہ کو بتادی تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور یوسف کو قیدخانے سے بلابھیجا لیکن انہوں نے اپنی بے گناہی ثابت کیے بغیر، قیدخانے سے نکلنا مناسب نہ سمجھا اس لیے پیغام لانے والے سے فرمایا۔ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ اور جب پوری طرح ان کی برأت ثابت ہوگئی تو قیدخانے سے نکلے اور بادشاہ کے دربار میں تشریف لے گئے، بادشاہ ان کی عقل و دانائی، عصمت و پاکدامنی اور صبر و استقلال سے بہت متاثر ہوا اور ان کو حکومت پر سرفراز کیا لیکن توریت کا بیان یہ ہے کہ جب بادشاہ کے خواب کا کوئی تعبیر بتانے والا نہیں ملا تو ساقی نے جو یوسف کے ساتھ قیدخانے میں رہ چکا تھا، یوسف کا پتہ بتایا۔ حضرت یوسف قیدخانہ سے بلائے گئے، وہ خوشی خوشی کپڑے بدل کر دربار میں گئے اور خواب کی تعبیر بتائی۔ بادشاہ نے خوش ہوکر ان کو حکومت مصر عطا کردی اور خود نام کا بادشاہ بنا رہا۔ ملاحظہ ہو توریت کتاب پیدائش باب ۴۱۔ آیت ۴۰۔ ۴۴۔

ان دونوں بیانوں کے موازنہ کی ضرورت نہیں۔ بادنیٰ تامل ہر شخص کو، توریت کا بیان خلاف عقل نظر آئے گا۔ حضرت یوسفؑ کی عقل و فرزانگی اور ان کے صبر و استقلال سے جس کا ثبوت انہوں نے اپنی زندگی میں بار بار دیا اور جس کی تعریف خود آنحضورؐ نے ان الفاظ میں فرمائی لَوْ كُنْتُ...... لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ؛ یہ بعید ہے کہ بغیر اپنے کو اس الزام سے بری ثابت کیے ہوئے، جس کی بنا پر یہ قیدخانہ میں ڈال دیے گئے ہیں یا جس سے آپ متہم قرار دیے گئے ہیں، بادشاہ کی آواز پر لبیک کہہ دیتے اسی طرح یہ بھی بعید ہے کہ ملک مصر، ایسے شخص کو تخت و تاج سونپ کر، خود دستبردار ہوجائے گا جو ایسے جرم میں قید کردیا گیا ہے۔ بادشاہ کا یہ اقدام، خود دلالت کرتا ہے کہ اس نے آپ کے اندر کسی قسم کی برائی نہیں پائی اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ بادشاہ کی طلب پر، زنان مصر نے خود ان کی پاکدامنی کی شہادت

دی ہو جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ توریت کا مذکورۂ بالا بیان غلط ہے۔

(۶) ایک خفیف اختلاف یہ ہے کہ توریت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی شکیم میں بکریاں چرانے گئے حضرت یعقوبؑ نے انخود وہاں یوسفؑ کو دریافت حال کے لیے بھیجا۔ ان کے بھائی ان سے حسد کرتے تھے اور ان سے جلے بھنے تھے، انہوں نے حضرت یوسفؑ کو جب آتے دیکھا تو ان کی ہلاکت کی مختلف تدبیریں سوچنے لگے اور آنے پر انہوں نے ایک کنوئیں میں ڈال دیا لیکن قرآن میں ہے کہ حضرت یعقوب نے یوسفؑ کو نہیں بھیجا بلکہ ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے خواہش ظاہر کی کہ ان کو ہمارے ساتھ جنگل میں جانے دیجئے تاکہ وہ ہمارے ساتھ کھیلے کودے اور پھل کھائے۔ حضرت یعقوبؑ بمشکل تمام عہد و پیمان کے بعد ان کو ساتھ روانہ کرنے پر راضی ہوئے۔ دونوں بیانوں میں اختلاف ہے لیکن قرین قیاس، قرآن کا بیان ہے۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ ان کے حسد و بغض سے واقف تھے جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف کا خواب سننے کے ساتھ ہی فرما دیا: لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ الخ۔ نیز توریت میں ہے کہ ان کے بھائی ان سے اس حد تک بغض رکھتے تھے کہ ان سے سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے جیسا کہ توریت کتاب پیدائش باب ۳۷، آیت ۴ سے ثابت ہے۔ جب ان کا حسد و بغض اس حد تک پہنچ چکا تھا تو ظاہر ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو اس کی خبر ضرور رہی ہوگی۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت یعقوبؑ ان کے اس حسد و بغض کے علم کے باوجود ان کو جنگل میں بھیج دیں۔ جہاں معلوم ہے کہ ہر قسم کی ہلاکت کے سامان' بھائیوں کے مشورہ کے بعد کیے جا سکتے ہیں۔ یہ تو یوسف کا دشمن ہی کر سکتا ہے لیکن یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو محبت تھی وہ مسلم ہے یہ بالکل ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کی زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

ان اختلافات کے علاوہ بعض اور خفیف اختلافات بھی پائے جاتے ہیں جن کو میں بخوف طوالت نظرانداز کرتا ہوں اخیر میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ان تمام خرابیوں کے باوجود، قرآن کے سمجھنے کے لیے' توریت کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں' لبا اوقات توریت سے قرآن سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے اور اکثر جگہ توریت سے

قرآن کے اجمال کی تفصیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے کہ جب یوسف کے بھائیوں کا قافلہ پہلی مرتبہ مصر آیا تو یوسف نے ان سے کہا کہ اِیْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّکُمْ مِّنْ اَبِیْکُمْ۔ اس سے پہلے، بھائی باپ وغیرہ کا تذکرہ کوئی نہیں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے تو اپنا یوسف ہونا تو ظاہر نہیں کیا تھا۔ پھر کیوں کر بغیر تذکرہ کیے، ان سے بھائی کو ساتھ لانے کے لیے کہا، توریت میں دیکھنے سے یہ سوال دور ہو جاتا ہے اور حضرت یوسف ؑ کے طلب کی تقریب سمجھ میں آجاتی ہے۔ اسی طرح قرآن، جا بجا بنی اسرائیل کا تذکرہ مختلف حیثیتوں سے اپنے اسلوب کے مطابق اشارۃً کرتا ہے۔ عرب کے لوگ چونکہ تمام واقعات سے واقف تھے اس لیے ان کے لیے اشارہ کافی تھا، لیکن ہم درحقیقت تمام اشاروں اور اجمالوں کی تفصیل معلوم کرنے کے محتاج ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

لیکن درحقیقت توریت کے مطالعہ کے لیے خاص احتیاط اور تدبیر سے کام لینا پڑتا ہے ورنہ غلط راستہ پر پڑ جانا یقینی ہے۔ میرے خیال میں قرآن کی آیتوں میں متعدد احتمالات نکلتے ہیں، ان میں اس احتمال کو قوی سمجھنا چاہیے جو توریت کے بیان سے مطابق ہو جب تک کہ توریت کا بیان کسی عقلی یا نقلی دلیل کے مخالف نہ ہو، مثلاً قرآن کی مشہور آیت لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ نہایت معرکۃ الآراء ہے اس کی تفسیر میں بعض مشہور مصنفین نے ایسی بے سروپا باتیں لکھی ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ وہ کوئی افسانہ تصنیف کر رہے ہیں۔ لیکن محققین نے کلیۃً اس کا انکار کیا ہے۔ اور آیت کی متعدد ایسی تاویلیں ہیں جن کی بنا پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا، توریت میں اگرچہ اکثر انبیاء کے متعلق زنا، بت پرستی وغیرہ کو نہایت بے باکی سے منسوب کر دیا گیا ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ توریت بھی یوسف ؑ صدیق کی عصمت کی صریح شہادت دیتی ہے (تکوین باب ۳۹ آیت ۷-۱۴) اس صریح شہادت کے بعد، حضرت یوسف ؑ کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی صریح ظلم ہے۔ اسی طرح مفسرین عام طور پر، عزیز کو ملک مصر سمجھتے ہیں لیکن توریت میں تصریح ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں قرآن سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ ابھی بہت سی چیزیں قابل بحث ہیں لیکن طوالت کے خوف سے انھیں نظر انداز کیا جاتا ہے